تنزیل و تاویل

امثال القرآن

(۵)

از جناب مولوی محمد ایوب صاحب جیراجپوری

(۱۷) شرک کی نامعقولیت اور شرکاء کی بیچارگی کی مثال۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ ۖ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ۚ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ (حج - ۱۰)

اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے، اسے غور سے سنو۔ اللہ کے ماسوا جن ہستیوں کو تم (بحیثیت معبود) پکارتے ہو، وہ (اس قدر عاجز و بیچارہ ہیں کہ) ایک مکھی تک نہیں پیدا کر سکتے خواہ سب کے سب مل کر ہی کیوں نہ پیدا کرنا چاہیں۔ اور اگر مکھی (جیسی ادنی اور ہیچ مخلوق) ان سے کوئی چیز چھین لے تو وہ اس سے اس چیز کو واپس بھی نہیں لے سکتے۔ طالب اور ان کے مطلوب دونوں ایک جیسے کمزور ہیں۔ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا نہیں جیسا کہ پہچاننے کا حق تھا۔ بیشک اللہ قوت اور غلبہ والا ہے (اس کے علاوہ ساری موجودات اس وصف سے بالکل محروم ہیں)۔

یہ مثال اس قابل ہے کہ ہر انسان اپنے قلب پر اس کو نقش کرلے اور اس کے معارف میں غرق ہو کر

فلسفۂ الوہیت پر غور و فکر کرے۔ اگر دل میں حق کی طلب ہوگی تو ناممکن ہے کہ وہ جمال وحدانیت سے مسحور ہوئے بغیر اس کی گہرائیوں سے واپس آئے۔ یہ تمثیل شرک کی جڑ بنیاد کھود کر رکھ دینے والی ہے۔ کیونکہ یہ ایک بدیہی اور مسلمہ حقیقت ہے کہ معبودیت کا کمتر سے کمتر درجہ یہ ہے کہ معبود اپنے بندوں کو نفع پہنچانے اور ان سے نقصان کو دفع کرنے پر قادر ہو۔ ورنہ اگر وہ اپنے اندر اتنی بھی سکت نہیں رکھتا تو اسے کیا حق ہے کہ اپنی پرستش کرائے اور لوگ اس کی پرستش کریں کیوں؟ لیکن مشرکین کے معبودوں کا کیا حال ہے؟ نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت رکھنا تو بڑی چیز ہے، وہ غریب اتنے بے بس، اتنے لاچار اور اتنے عاجز ہیں کہ سب مل کر بھی ایک مکھی تک نہیں پیدا کر سکتے، اور پیدا کرنا تو درکنار اگر مکھی جیسی کمزور مخلوق ان کے چڑھاوے میں سے کوئی چیز لے اڑے تو یہ کائنات کے ''فرمانروا'' اتنی بھی قوت نہیں رکھتے کہ اس سے اس چیز کو چھین کر واپس لے لیں اور اس سے اس گستاخی کا انتقام لیں۔ گویا ان سے بڑھکر ضعیف اور عاجز و ناتواں ہستی کوئی نہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی درست ہوش و حواس رکھنے والا انسان ایسی ہستیوں کے آگے سر جھکانے کو گوارا کس طرح کر سکتا ہے۔

یہ مثال شرک کی نامعقولیت اور مشرکین کی بے عقلی اور سفاہت پر ایک حجۃ بالغہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا طرز استدلال قرآن کے بلیغ ترین استدلالات میں سے ہے۔ اس کی روشنی میں دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیطان ان مشرکین کی عقلوں کو کس طرح الٹ دیتا اور کس حد تک ماؤف بنا دیتا ہے کہ وہ پتھر کی بے جان مورتیوں میں، جن کی طاقت اور قدرت کا یہ حال ہے کہ معمولی اور حقیر سے حقیر مخلوق کو بھی نہیں پیدا کر سکتیں، حتیٰ کہ اگر حقیر ترین مخلوق ان کی جناب میں گستاخی کر کے کوئی چیز سامنے سے اچک لے جائے تو سب کی سب مل کر بھی اسے چھڑا کر واپس نہیں لے سکتیں، ایسی بے جان اور بے حقیقت مورتیوں میں یہ عقل کے دشمن الوہیت جیسی چیز کا جلوہ دیکھتے ہیں اور انھیں معبود اور الٰہ سمجھ کر ان کے سامنے پیشانیاں ٹیکتے ہیں۔ حالانکہ معبود اور الٰہ کی معبودیت والوہیت کا ابتدائی اور

بنیادی تقاضا یہ ہے کہ اس نے ساری مخلوقات کو پیدا کیا ہو، قادر مطلق ہو، ہمہ دان ہو، سب سے بے نیاز ہو، سب کا ملجا و مرجع ہو، فریاد رس اور معدلت گستر ہو۔

اس حقیقت کے اظہار کے بعد کہ الوہیت کے مقام اور اصنام کی حیثیت میں کتنا بعد المشرقین ہے اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ "ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ" یعنی عابد و معبود دونوں یکساں ضعیف اور ناتواں ہیں۔ یہ تفسیر ان لوگوں کی ہے جن کا خیال ہے کہ یہاں طالب سے مراد عابد اور مطلوب سے مراد معبود ہے، یعنی ایک عاجز دوسرے عاجز سے چشم امید رکھتا ہے یا پیاسا پیاسے سے پانی مانگ رہا ہے اور یہ کتنی بڑی نادانی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں سالب اور مسلوب کی یکسانی دکھائی گئی ہے یعنی معبودان باطل اور مکھی دونوں ضعف و بیچارگی کے لحاظ سے برابر ہیں۔ اس تاویل کی رو سے طالب وہ بت ٹھہرے اور مطلوب مکھی جو ان کا چڑھاوا لے اڑی ہو۔ ایک تیسری تاویل اور بھی ہے جو دوسری کے بالکل برعکس ہے۔ ہمارے نزدیک لفظ کی وسعت اور عمومیت ان سب تاویلات کو محیط ہے، اور ضعف کی نسبت عابد (بت پرست)، معبود (بت) اور سالب (مکھی) سب کی طرف ہے۔ پس ایسی ضعیف ہستی کو جو اپنی ہی طرح بے دست و پا ہو، اپنا مسجود اور اللہ قادر مطلق کا شریک قرار دینے والا دراصل الوہیت کے تصور سے عاجز ہے اور معبود کے علو و کمال کا دراصل کوئی احساس نہیں رکھتا ورنہ اس سے یہ ظلم عظیم ہرگز سرزد نہ ہوتا۔

(۱۸) کفار کے پتھر جیسے سخت دلوں سے حق کی آواز ٹکرا کر کس طرح ناکام واپس آتی ہے۔ اس کی مثال:

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ	کفار کی مثال اس شخص کی سی ہے جو ایک ایسی
الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً	چیز کو پکار رہا ہو جو پکارنے اور بلانے کی آواز کے
وَنِدَاءً صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ	سوا کچھ نہیں سنتی (یعنی پکارنے والے کا مطلب بالکل

لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (البقرہ - ۲۱)　نہیں سمجھتی) یہ کافر لوگ نرے گونگے، بہرے اور اندھے ہیں جو کچھ سمجھ بوجھ نہیں رکھتے۔

"نعیق" چرواہے کی اس آواز کو کہتے ہیں جسے وہ گلے کو پکارنے اور بلانے کے وقت اپنے منہ سے نکالتا ہے۔ تجزیہ کرنے سے اس تشبیہ میں مشبہ بہ کے "اجزاء اور افراد" نکلتے ہیں۔ ایک ناعق یعنی چرواہا۔ دوسرا منعوق بہ یعنی گلہ۔ رہ گیا یہ امر کہ چرواہے اور گلے سے تشبیہ کس چیز کی دی گئی ہے سو اس بارے میں علماء تفسیر کے چند مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول کے مطابق ناعق سے مراد بت پرست ہے جو اپنے بتوں کو بوقت احتیاج بلاتا ہے اور ان سے دعائیں مانگتا ہے۔ اور منعوق بہ سے مراد وہ بت ہیں جنھیں اس کے پجاری بلاتے ہیں۔ اس تاویل کے لحاظ سے آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ بتوں کو بلاتے اور ان سے دعائیں اور منتیں مانگتے وقت کفار کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جو اپنے جانوروں کو چلا چلا کر بلاتا ہے اور وہ اس کی آواز کو سمجھتے تک نہیں۔ عبدالرحمن ابن زید وغیرہ کا یہی خیال ہے۔

علامہ زمخشری اور دوسرے بہت سے اہل تفسیر نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ "اِلَّا دُعَاءً وَّنِدَاءً" کے الفاظ اس تاویل کا کسی طرح ساتھ نہیں دیتے، کیونکہ بت تو مطلقاً کسی آواز یا پکار کو سنتے ہی نہیں۔ اور آیت کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ اگرچہ منعوق بہ پکارنے والے کی بات کو سمجھتا تو نہیں مگر سنتا ضرور ہے۔ لہٰذا یہاں بتوں کو مشبہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔

اس اعتراض کے تین جواب دیئے گئے ہیں۔

ایک یہ کہ اس جگہ لفظ "اِلَّا" زائد ہے۔ اور آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ "کفار کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی ایسی چیز کو بلا رہا ہو جو پکارنے اور چلانے کی آواز تک نہیں سنتی"۔ ظاہر ہے کہ یہ کس قدر پھسپھسا اور غلط جواب ہے۔ قرآن کی تفسیر اگر اس انداز سے کی جائے کہ جس لفظ کو جہاں چاہا زائد کہدیا اور جس کو جہاں ضرورت سمجھی محذوف قرار دیدیا تو قرآن بازیچۂ اطفال بن جائیگا۔ اور تحریف معنوی کا دروازہ روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتا

جائے گا۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں تشبیہ میں پیش نظر محض دعاء (بلانا اور آواز دینا) ہے اور بتانا یہ مقصود ہے کہ بلانے کا انجام دونوں جگہ یکساں ہے۔ اس جگہ مدعو کی (یعنی جس کو بلایا گیا ہو، اس کی) خصوصیات سے بحث نہیں ہے۔ اس لیے اگر مشبہ بہ میں ایک ایسی زائد صفت اور خصوصیت پائی جائے جو مشبہ میں موجود نہیں تو اس سے نفس تشبیہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

تیسرے جواب کی رو سے آیت کی توضیح اس طرح ہوگی کہ "ایسے خود ساختہ معبودوں سے، جن کو احساس تک نہیں ہوتا کہ انھیں مخاطب کرکے کوئی کیا کہہ رہا ہے، دعائیں مانگنے والوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنے ریوڑ کو بلا اور پکار رہا ہو اور اس پر اس کے بلانے اور چلّانے کا کوئی اثر نہ ہو رہا ہو اور اس کی ساری چیخ پکار کا حاصل صرف یہی ہوتا ہو کہ بس وہ بلائے جا رہا ہے۔ یہی مشرک کا حال ہوتا ہے جبکہ وہ اپنے گونگے بہرے خداؤں کو گڑگڑا گڑگڑا کر بلاتا ہے اور گڑگڑانے اور دعائیں مانگنے کی محنت مشقت کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا"۔

دوسری تاویل یہ کی گئی ہے کہ کفار کی مثال ان بہائم کی سی ہے جو چرواہے کی پکار کا مطلب بالکل نہیں سمجھتے۔ صرف اتنا محسوس کرتے ہیں کہ اس کے حلق سے آواز نکل رہی ہے۔ یعنی اس تاویل کے قائلین کے نزدیک راعی سے مراد پیغمبر ہے جو کفار کو حق کی طرف بلا رہا ہے اور بہائم سے مراد اہل کفر و شرک ہیں جنھیں راعی حق بلا رہا ہے مگر ان پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ سیبویہ نے آیت کی تشریح اسی طرح کی ہے۔

اس تمثیل کو تشبیہ مرکب بھی مانا جاسکتا ہے اور تشبیہ مفرق بھی۔ پہلی صورت میں صدائے حق کو نہ سمجھنے اور اس سے فائدہ نہ اٹھانے والے کفار کی تشبیہ دینی مقصود ہوگی اس گلہ سے جو چرواہے کی پکار کا مفہوم اس کے سوا کچھ نہیں سمجھتا کہ وہ کچھ بول رہا ہے۔ اور اگر اسے تشبیہ مفرق مانا جائے یعنی وہ تشبیہ جس میں مشبہ اور مشبہ بہ کے تمام متقابل اجزاء میں مماثلت اور مشابہت ضروری ہوتی ہے تو اس صورت میں کفار بمنزلہ بہائم کے ہوں گے، اور دعوت حق و ہدایت بمنزلہ نعیق (جانوروں کو بلانے کی آواز) کے ہوگی اور ان کفار کا اس دعوت حق کو صدائے محض سمجھنا

بمنزلۂ ادراک بہائم کے ہو گا جو چرواہے کے بلانے اور پکارنے کی آواز کو ایک بے معنی آواز سے زیادہ نہیں سمجھتے۔

(۱۹) انفاق فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل الطاغوت کی مثال:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ
سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ
وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ
عَلِيْمٌ ...... يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى
كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا
يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ
صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ
فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ
مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْكٰفِرِيْنَ ۔ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ
ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ
كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ
اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۔ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ

جو لوگ اپنا مال راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں ان
کی (خیرات کی)، مثال اس دانے کی سی ہے جس میں
سات خوشے اور ہر خوشہ میں سو دانے پیدا ہوں
اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے برکت عطا کرتا ہے اور
اللہ وسعت اور قدرت رکھنے والا نیز ہر شے سے
باخبر ہے ...... اے ایمان والو اپنے صدقات کو احسان
جتا کر اور (سائل کو) ایذا دیکر اکارت نہ کرو اس شخص
کی طرح جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے
اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ جو شخص اس طرح
کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان پر
(تھوڑی سی) مٹی پڑی ہو، پھر اس پر تیز بارش ہو اور
(مٹی کی اس پتلی سی تہ کو بہا کر چٹان کو چکنی اور سپاٹ
کرکے چھوڑ دے (یہی انجام ہے ریاکار صدقہ دہندگان کا
قیامت میں) - یہ لوگ اپنے دیئے ہوئے صدقات
میں سے کچھ نہ حاصل کر سکیں گے اور اللہ ناشکروں کو ہدایت
نہیں دیا کرتا۔ اور ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال خرچ

أَن تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ۝

(بقرہ - ۲۶۶)

کرتے ہیں محض خدا کی رضا جوئی کے لیے نیز خلوص اور ثبات قلبی کے ساتھ، ان کی خیرات کی مثال ایک باغ کی سی ہے جو ٹیلے پر واقع ہے، پھر اس پر زور کا مینہ برسا اور (عام انداز سے) دوگنا پھل لایا، اور اگر اس پر زور کی بارش نہ بھی ہوئی تو اسے ہلکی پھوار (بھی بس کرتی ہے) اور اللہ تعالیٰ تمہارے سارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کریگا کہ اس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو اس کے نیچے نہریں بڑی بہ رہی ہوں، اس میں ہر قسم کے میوے ہوں اور بڑھاپا اسے آ لے اور اس کے چھوٹے چھوٹے ناتواں بچے ہوں۔ (ایسی حالت میں) باغ پر آتش بگولا چلے اور وہ جل بھن کر رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنی آیات تمہارے لیے یونہی کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور کرو۔

یہ ایک مفصل تمثیل ہے جس میں انفاق لوجہ اللہ اور انفاق ریائی دونوں کی حقیقت اور دونوں کے انجام اور ثمرات کی تصویر کھینچی گئی ہے۔ پہلے انفاق فی سبیل اللہ کے انجام کی مثال دی گئی ہے کہ خدا کی راہ میں — خواہ جہاد میں یا کسی نیک کام میں — خرچ کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو زمین میں بیج ڈالتا ہے اور ہر بیج سے سات خوشے پیدا ہوتے ہیں جن میں سے ہر ایک کے اندر سو سو دانے ہوتے ہیں گویا ایک دانہ بو کر سات سو حاصل کرتا ہے۔ اللہ کے لیے مال قربان کرنے والا یونہی اپنا مال ضائع نہیں کرتا بلکہ در حقیقت کئی گنا اسے بڑھاتا ہے۔ اس بڑھوتری کا انحصار خرچ کرنے والے کے خلوص اور ایمان پر نیز مال کی نافعیت اور حقدار کی حیثیت پر ہے، کیونکہ صدقہ کا ثواب صدقہ دینے والے کی قلبی کیفیت کے لحاظ سے متفاوت

ہوا کرتا ہے۔ نیت ایک میزان ہے جس پر ہر عمل کا وزن کر کے اس کا بدلہ متعین کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آگے چل کر اُس انفاق کی، جس کا ثواب حد مذکورہ تک پہنچنے والا ہے، یعنی کمال انفاق کی دو صفتیں بیان کی ہیں، ایک تو یہ کہ وہ محض اللہ کے لیے ہو، شہرت پسندی اور ریاکاری کا اس میں شائبہ تک نہ ہو۔ دوسری صفت تَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ کی ہے۔ تثبیت کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ خیرات دینے والا صدقہ نکالتے وقت دل میں کسی قسم کی تنگی نہ محسوس کرے بلکہ کھلے دل سے اور ثبات قلب کے ساتھ دے اور مال کو اپنے ہاتھ سے نکالنے سے پہلے اپنے دل سے نکال دے۔ یہی تثبّتِ نفس ہے جو اموال خیرات کی مقدار اور نوعیت کے ساتھ مل کر خیرات و صدقات کی قدریں مقرر کرتا ہے یہاں تک کہ وہ سیکڑوں گنا زیادہ معاوضہ تک پہنچ جاتی ہیں۔

اس کے بعد یہ دیکھو کہ اس صدقہ کی حقیقت کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی معنویت کو کس طرح مشہود کرایا ہے۔ سو پہلے تو اللہ تعالیٰ نے صدقہ کو بیج سے تشبیہ دی ہے، گویا اپنے پاک مال کو بغیر کسی دوسرے جذبہ کے خلوص دل سے خدا کی راہ میں خیرات کرنے والا ایک کسان ہے جو اپنے مال کو عمدہ اور ستھری زمین میں بوتا ہی اب پیداوار کا کم و بیش ہونا بیج کی عمدگی، زمین کی زرخیزی، پودوں کی آبپاشی اور خود رو گھاس پات سے ان کی حفاظت پر منحصر ہے۔ اگر یہ تمام لوازم بدرجہ کمال موجود ہو جائیں اور کھیتی پر کسی قسم کی ارضی یا سماوی آفت نہ آئے تو وہ نہایت شاداب اور زوردار ہوگی اور اس کی مثال اس باغ کی سی ہوگی جو اونچی زمین پر واقع ہے، جہاں اسے ہر وقت کھلی ہوا، دھوپ اور روشنی مل رہی ہے اور اس کے درخت پوری آزادی کے ساتھ نشوونما حاصل کر رہے ہیں۔ پھر ابر بہار آتا ہے اور جی کھول کر اسے سیراب کرتا ہے۔ انجام کار اس کے درخت دوسرے درختوں کی بہ نسبت دوچند پھل لاتے ہیں اور اگر موسلا دھار بارش نہیں بھی ہوتی تو ہلکی سی بارش بھی اس کے لیے کافی ہوتی ہے، کیونکہ اس کی زمین اپنے اندر روئیدگی کی کامل استعداد رکھتی ہے۔

یہی حال ہے اس صدقہ کے نشوونما اور اس کی برومندی کا جو خلوص اور للّٰہیت کی مقدس زمین میں بویا

جاتا ہے۔ اسبابِ نمو کے تفاوت کے لحاظ سے اس کے حاصل میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔ وابل (زور کا مینہ) اور طل (ہلکا مینہ) کے الفاظ اسی تفاوت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ بعض صدقے وابل کی حیثیت رکھتے ہیں اور بعض طل کی۔ جو جیسا راہِ خدا میں دے گا ویسا ہی وہاں سے اجر بھی پائیگا۔

اس کے برعکس معاملہ ہے اس شخص کے انفاق کا جو خرچ تو کرتا ہے لیکن بے فائدہ جس کا کوئی حاصل نہیں۔ یعنی خدا کے لیے اور تثبیت نفس کے ساتھ نہیں دیتا بلکہ شہرت طلبی اور ریاکاری کے جذبہ کے ماتحت دیتا ہے۔ انجام کار اس کا سارا دیا دلایا اکارت جاتا ہے۔ ایسے شخص کی مثال اللہ تعالیٰ نے اس بدبخت اور حسرت نصیب انسان سے دی ہے جس کے پاس کھجور اور انگور کے بیش قیمت باغات ہوں، جسکے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہوں اور اسے برابر سیراب و شاداب رکھتی ہوں ہر قسم کے پھل لگے ہوئے ہوں۔ اور وہ خود کہن سالی کی عمر کو پہنچ چکا ہو، اسکی اولاد خرد سال اور ناتواں ہو، یعنی نہ خود کمانے کی سکت رکھتا ہو اور نہ بچے اس قابل ہوں۔ ایسی حالت میں جبکہ وہ باغ کی برومندی کا سخت حاجتمند ہے ـــــ لوؤں کی لپٹ آئے اور سارے باغ کو جھلس کر خشک کر دے بالکل یہی حال ہے اس شخص کا جو دکھانے کے لیے اپنا مال خیرات کیا کرتا ہے۔ ابھی تو اپنی فیاضی کے غرور میں سرمست ہے۔ لیکن جب اس فیاضی کی قیمت معلوم ہونے کا وقت آئیگا اور داورِ محشر کے سامنے اس کا اعمالنامہ کھولا جائیگا تو یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ ہوگی کہ جس کشتِ عمل کی شادابی اور ثمروری پر وہ اس قدر نازاں تھا اور اس پر اعتماد کیے بیٹھا تھا، عین اس وقت جبکہ وہ اس کے ثمرات کا سخت حاجتمند ہے، ساری کھیتی جل کر خشک ہو چکی ہے، اور مصیبت بالائے مصیبت یہ کہ اب دوبارہ جوتنے بونے کا موقع بھی نہیں۔ وجہ مشابہت دونوں کے انجام میں صاف ہے، یعنی شدید احتیاج کے وقت نعمت کا چھن جانا، آرزوؤں کا تاراج ہو جانا اور ہیبت ناک حسرتوں سے دوچار ہونا۔

اس امر میں کہ یہ مثال کس شخص کی دی گئی ہے، بعض دوسرے اقوال بھی مذکور ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ اس شخص کی مثال ہے جس کا خاتمہ فساد انگیزی اور فتنہ پروری پر ہوا ہو۔ امام مجاہد کا قول ہے کہ یہ

اس شخص کے حالات کی تمثیل ہے جو زندگی بھر طاعت الٰہی میں کوتاہیاں کرتا رہا ہو۔ سُدّی کے نزدیک یہ اس ریاکار کی تشبیہ ہے جس نے خدا کی رضا جوئی کو نظر انداز کر کے داد و دہش کی ہو۔ یوں تو آیت کے عموم میں ہر قول کی سمائی ہے، لیکن سیاق و سباق آخری قول کی ہی تائید کرتا ہے۔

اس تمثیل کا ایک حصہ اب اور باقی رہ جاتا ہے۔ یعنی صدقات باطلہ کی مثال۔ صدقات کو باطل کرنیوالے امور دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو صدقات کو ذریعۂ ثواب اور علت ثواب بننے ہی سے روک دیتے ہیں، مثلاً ریا اور نام و نمود کی خواہش۔ دوسرے وہ امور جو صدقات کو ذریعۂ ثواب بننے سے تو نہیں روکتے لیکن اس ثواب کو باطل اور معدوم کر دیتے ہیں جو ان صدقات کے عوض ملنا چاہیے تھا مثلاً احسان جتانا، یا سائل کو ایذا دینا۔ ایسے صدقات کی مثال اللہ تعالیٰ نے اس سخت اور سپاٹ چٹان سے دی ہے جس پر مٹی کی ایک ہلکی سی تہ آکر جم گئی ہو، پھر تیز بارش آئے اور مٹی کی اس تہ کو بہا کر چٹان کو کھلی ہوئی سپاٹ حالت میں چھوڑ دے۔ اس تمثیل کے اجزاء اور مشبہ کے اجزاء کے ساتھ انکے تطابق کو دیکھو، قرآن کی شان عظمت اور اس کے اعجاز بیان کا کیسا روشن آئینہ ہے۔ اللہ کی خوشنودی کو چھوڑ کر دنیوی جاہ و نمود پر اپنا مال قربان کرنیوالے یا خیرات کر کے احسان جتانے اور سائل کو تکلیف دینے والے آدمی کے قلب نا آشنائے اخلاص کو پتھر سے اور اسکے عمل کو چٹان پر جمی ہوئی مٹی سے تشبیہ دینے میں کتنے لطیف نکات پنہاں ہیں۔ پتھر کی سختی مٹی کو اپنے اندر ربانی جذب نہیں کرنے دیتی اور نہ اسے روئیدگی کی اجازت دیتی ہے کیونکہ اس کی فطرت میں یہ مادہ ہے ہی نہیں کہ بارش ہونے کے بعد مٹی کے ذرات کو اپنے سے ملائے رکھ سکے اور انہیں پانی اور روئیدگی قبول کرنیکا موقع دے سکے۔ معمولی زمین کے لیے تو بارش سبب روئیدگی ہے۔ مگر چٹان پر جمی ہوئی مٹی کے لیے بارش ہونے کے معنی رہی سہی روئیدگی بھی ضائع ہو جانے کے ہیں۔ اسی طرح جو قلب خلوص، للّٰہیت اور ایمان و اخلاص سے عاری ہوتا ہے اور محض نمائش کے لیے فیاض بنا رہتا ہے جب اس پر آسمان شریعت سے اوامر و نواہی کی بارش ہوتی ہے تو وہ اسے قبول نہیں کر سکتا اور انجام کار غبار کی ہلکی سی وہ تہ بھی، جو اس پتھریلے قلب پر نقاب بنکر پڑی ہوئی تھی، اس بارش کے ریلے میں بہ جاتی ہے اور اس کا دل اپنی اصلی ہیئت میں ایک سپاٹ پتھر کی طرح ننگا ہو کر سامنے ظاہر ہو جاتا ہے جس میں نشو و نما کی کوئی استعداد ہی نہیں ہوتی۔

(باقی)